© rasailojaraid.com

(۳) اسلامیانِ پاکستان کو امن و امان فراہم کر کے مسلمانانِ عالم کے لیے مثالی فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کرنا، اس جانب قیام پاکستان کے اولین روز ہی سے کوتاہی جاری ہے۔ اور موجودہ حکومت بھی اس فریضے سے غفلت کی جانب گامزن ہے۔

سانحہ پشاور پر سزائے موت کی بحالی ایک جذباتی ردعمل ہونے کے باوجود بڑا مثبت پیش رفت ہے۔ کاش! یہ نفاذِ اسلام کا ''پہلا مرحلہ'' ہوتا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سانحے کے پس پردہ اصل مجرموں کے سنگین عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے سزائے موت کے اجراء کو ''پہلا قدم'' قرار دیتے ہوئے دہشت گردی، ڈاکہ، چوری، زنا، نشہ بازی اور ارتداد کے مجرموں پر بھی رب العالمین کی طرف سے مقرر کردہ سزائیں جاری کی جائیں۔ کم از کم اندرونِ ملک سودی قرضوں کی لعنت کا خاتمہ کر کے سرکاری بینکوں کے رقوم سے مضاربت پر یوٹیلیٹی سٹورز اور سٹیل ملز جیسا کاروبار کیا جائے۔

جمہوری حکمران اسلامی نظام کے نفاذ سے بہت گھبراتے ہیں۔ غالباً طالبان کی پچھلی حکومت کے انجام سے لرزتے ہیں۔ حالانکہ اس کی قبولیت میں کمی کی اہم وجہ فرقہ وارانہ تعصب کی روش تھی۔

''کتاب الٰہی اور سنت نبوی'' کے نفاذ سے دہشت زدہ عوام جلد ہی سکون و اطمینان اور امن و امان کی پاکیزہ فضا پائیں گے۔ اسی پاکیزہ فضا کی آس میں برصغیر کے مسلمانوں نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر آزادی حاصل کی تھی۔ اسلام پسند اکثریت کی آرزوئیں بر آئیں گی؛ تو فوراً حکمرانوں کی مشکور و ممنون ہوں گی۔ اور جب دہشت گرد اور سنگین اخلاقی جرائم میں ملوث لوگ اپنی شرعی سزائیں پائیں گے؛ تو لوگوں کی جان، مال، عزت، عقل اور دین کو تحفظ ملے گا، پھر اسلامی نظام کے نام سے خوف کھانے والے جہلاء بھی اس کی برکتوں کو دیکھ کر حامی بن جائیں گے۔ البتہ اس طرح کے سنگین جرائم میں ملوث اسلام دشمن، سماج دشمن، ملک دشمن عناصر مخالفت کریں گے۔ ان کی مخالفت ہی اس مبارک نظام کی برکتوں کا مظہر ہے؛ کیونکہ:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ‌ ‌ ‌ ‌ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درسِ قرآن مجید

تراشِ رحمانی در فوائدِ قرآنی

ڈاکٹر اسمٰعیل محمد امین

قال تعالیٰ: ﴿**وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ هُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ هُوَ خَیۡرٌ اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَکُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ وَضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡکَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّکَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ○**﴾ [البقرة : ٦١]

ترجمہ: ''اور جب تم لوگوں نے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے، سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے: زمین کی سبزی، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز میں سے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم وہ چیز جو کمتر ہے' اس چیز کے بدلے مانگتے ہو جو برتر ہے!؟ کسی شہر میں اتر جاؤ، تمہارے لیے جو مانگ رہے ہو' ملے گا۔ اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ پاک کی طرف سے بھاری غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر:

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر میدانِ تیہ میں عطا کردہ نعمتوں میں سے بادل کا سائبان، من وسلویٰ کا نزول اور وافر مقدار میں بارہ چشموں سے پانی جاری کرنے کا تذکرہ فرما کر انہیں ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ لیکن یہ قوم اپنی سابقہ روش کے مطابق اللہ پاک کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی مرتکب ہوئی۔ حتیٰ کہ من وسلویٰ جیسے عمدہ شاہی کھانوں سے اکتا کر اس کے بدلے میں کم درجے کے کھانے، سبزیاں اور زمین کی جملہ پیداوار کا مطالبہ کرنے لگے؛ کیونکہ وہ اپنے دورِ غلامی میں مصر میں اس طرح کی غذاؤں کے عادی تھے۔ اس نامعقول مطالبے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا: یہ کس قدر ناشکری اور بے وقوفی ہے کہ تم اعلیٰ معیار کے کھانے بغیر مشقت پانے پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنے کے بجائے گھٹیا درجے کی غذاؤں کا مطالبہ کرتے ہو!؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿واذ قلتم یموسیٰ﴾ کی تفسیر التراث 47 میں گزر چکی ہے۔

﴿لن نصبر علی طعام واحد﴾ میں حرف ناصب لن راجح قول کے مطابق مستقبل میں نفی تاکید کے لیے آتا ہے۔ صبر نفس کو کسی چیز پر روکنے کو کہا جاتا ہے۔یعنی ہم اپنے آپ کو ایک قسم کے کھانے پر محبوس نہیں رکھ سکتے۔

﴿طعام﴾ طُعم سے مشتق ہے، جو کہ ذائقے اور کھانے کو کہتے ہیں۔طعام مشروبات پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ بادشاہ طالوتؒ کے قصے میں آیا ہے:﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ [البقرة ۲۴۹] اس سے مراد معین نہر سے پانی نہ پینا تھا۔اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾ [المائدة ۹۳] حرمت سے قبل شراب پینے والوں کے بارے میں ہے۔

﴿طعام واحد﴾ یعنی ہم ایک کھانے پر گزارہ نہیں کرسکتے؛ بلکہ ہمیں مختلف کھانے چاہئیں۔

اس سے قبل بیان فرمایا گیا ہے کہ انہیں من وسلویٰ ملتے تھے، جو کہ دو قسم کے کھانے تھے۔پھر انہوں نے اسے ایک ہی کھانا کیوں کہا؟اس بارے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) مَنّ کو عموماً مشروبات کے ساتھ استعمال کرتے تھے، پانی میں ملا کر نبیذ (شربت) بناتے تھے، کھانے کے لیے صرف سلویٰ ملتا تھا۔

(۲) اگرچہ من وسلویٰ مختلف کھانے تھے؛لیکن روزانہ یہی دونوں ملتے تھے؛اس لیے انہوں نے اسے ایک ہی کھانے سے تعبیر کیا۔یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

بعض علماء نے دوسرے کھانوں کے مطالبے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان کی خواہش یہ تھی کہ سب لوگ اغنیاء نہ رہیں، ایک دوسرے سے مدد لینے کے محتاج ہوں۔

﴿فادع لنا ربک﴾ میں فاء عاطفہ سبب کے معنیٰ ادا کرتا ہے۔بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی دعا کا وسیلہ لینا چاہا؛لیکن اسی وسیلے میں بھی ﴿رَبَّکَ﴾ کے لفظ سے تکبر، جفا اور بے وقوفی جھلک رہی ہے؛ کیونکہ ان کو اللہَ یا رَبَّنَا کہنے کی توفیق نہ ملی۔گویا اللہ تعالیٰ صرف حضرت موسیٰؑ کا رب ہو، انہیں اس عظیم ذات سے کوئی تعلق نہ ہو۔

﴿یخرجْ لنا﴾ مضارع مجزوم ادعُ طلب کا یا محذوف شرط کا جواب ہے، یعنی: اِنْ تَدعُہُ یُخرجْ لنا

﴿مما تنبت الارض﴾ مما اصل میں من + ما ہے۔مِنْ تبعیض یا تخصیص کے معنیٰ میں، اور مَا موصولہ ہے۔ تنبتُ اِنباتٌ سے مضارع ہے۔یعنی جو زمین اگاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿مِن بقلِهَا﴾ مِن بیانیہ ہے، جو ما موصولہ کے ابہام کو دور کرتی ہے۔ ﴿بقلها﴾ میں ضمیر کا مرجع ﴿الأرض﴾ ہے۔ بقلٌ کی جمع بقولٌ ہے جو سبزی اور ترکاری کی تمام اقسام پر بولا جاتا ہے۔ یہ ایسے پودوں کو کہتے ہیں جن کا تنا نہیں ہوتا، اگر تنے پر کھڑا ہو تو اسے شجر کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے بقل کا ترجمہ ''ساگ'' کیا ہے، جو کہ سبزی کی ایک معین قسم ہے؛ جبکہ بقل عام سبزی کو کہا جاتا ہے۔

﴿وقِثّائها﴾ قِثّاءٌ ککڑی اور کھیرے کو کہا جاتا ہے، جو کہ سلاد میں استعمال ہوتے ہیں۔

﴿وفُومِهَا﴾ فوم کے معنی میں اختلاف ہے۔

(۱) بعض مفسرین کا دعویٰ ہے کہ فوم اصل میں ثومٌ ہے یعنی ''لہسن''۔ عرب ثاء کو فاء سے بدل دیتے ہیں، اس کی تائید ابن مسعودؓ کی قراءت (وثومِها) سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد بصل یعنی پیاز کا ذکر بھی ہے۔ لیکن یہ تفسیر سلف صالحینؒ سے صحیح ثابت نہیں اور ثاء کو فاء سے بدلنے کا قاعدہ بھی قیاسی نہیں؛ بلکہ استعمال کے لحاظ سے نادر ہے۔

(۲) اکثر اسلافؒ سے منقول اور مشہور تفسیر کے مطابق فُومٌ گندم کو کہا جاتا ہے، جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے صحیح سند سے ثابت ہے۔ آپؓ نے اس معنی کی تائید میں دورِ جاہلیت کے مشہور شاعر احیحة بن الجلاح کے اس شعر سے استدلال کیا:

قد كنتُ أغنَى النّاسِ شخصًا واحِدًا
وردَ المدينةَ عنْ زراعةَ فُومٌ

اور قدیم عربی لغت میں کہا جاتا تھا: فَوِّمُوا لَنَا یعنی: ہمارے لیے گندم کی روٹی پکاؤ۔

(۳) بعض نے اس سے ''چنا'' مراد لیا ہے۔

(۴) بعض نے کہا ہے کہ یہ ''غلہ'' کے معنی میں ہے، یعنی ہر وہ دانہ جسے پیس کر روٹی بنائی جاتی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے امام بخاریؒ کے حوالے سے بعض سلفؒ کی تفسیر نقل کی ہے کہ ہر وہ دانہ جسے کھایا جاتا ہے فومٌ کہلاتا ہے۔

﴿وبصلها﴾ اور زمین سے اگنے والا پیاز۔ جسے کچا کھا کر مسجد کے قریب جانا بھی منع ہے۔

﴿قال أتستبدلون الذي هو أدنى بالذي هو خير﴾ أتستبدلون میں ہمزہ انکاری ہے۔

﴿تستبدلون﴾ استبدال کسی چیز کے بدلے دوسری چیز مانگنے کو کہتے ہیں۔ ﴿الذي هو أدنى بالذي هو خيرٌ﴾ با تعویض کے لیے ہے، یعنی افضل و بہتر چیز کے بدلے کمتر چیز کا تقاضا کرتے ہو؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿أدنی﴾ دناءۃ سے اسم تفضیل ہے۔یعنی جس کی کمتری محتاج بیان نہیں۔یا یہ دون سے مشتق ہے، جو اصل میں أدْوَنُ ہے،یعنی: نہایت حقیر۔دون اصل میں أدْوَنُ سے تخفیف کیا گیا ہے۔

﴿خیر﴾ بھی افعل التفضیل ہے، جو اصل میں أخیرُ تھا۔ہمزہ کو تخفیف کی خاطر حذف کیا گیا۔یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل کے اس مطالبے پر تنقید کررہے ہیں کہ تم کتنے بیوقوف ہو، من وسلویٰ جیسے معیاری کھانے کی جگہ سبزی، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز جیسی کمتر چیزیں مانگتے ہو! علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں:

(۱) من وسلویٰ کی نسبت ان مطلوبہ چیزوں کا کوئی مقام نہیں۔

(۲) من اور سلویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصی نعمت تھی۔اگر یہ نعمت ان پر ہمیشہ رہتی اور اس پر شکر بجا لاتے رہتے، تو ان کے لیے ذخیرہ آخرت بھی ہوتا؛ جبکہ ان کی مطلوبہ چیزیں اس درجہ کی نہیں تھیں۔

(۳) من وسلویٰ سبزیوں کے مقابلے میں بہت مفید اور لذیذ تھے۔

(۴) من وسلویٰ انہیں بغیر محنت ومشقت کے ملتا تھا؛ جبکہ ان کی مطلوبہ چیزوں پر خوب محنت ومشقت درکار تھی۔

(۵) من وسلویٰ اللہ پاک کی طرف سے پاک وصاف اور حلال صورت میں نازل ہوتے تھے، جبکہ سبزیاں اور غلہ زمین سے حاصل ہوتے ہیں اور لوگ ان کی کاشتکاری اور لین دین کرتے ہیں؛ تو اس میں دھوکہ، غصب اور شکوک وشبہات شامل ہوجاتے ہیں۔ان تمام پہلوؤں سے من وسلویٰ کا مقام اعلیٰ تھا۔

﴿اهبِطوا مصرًا﴾ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔﴿اهبطوا﴾ هبوط سے امر کا صیغہ ہے۔نیچے اترنے کو کہا جاتا ہے۔﴿مصرًا﴾ مشہور قراءت میں تنوین کے ساتھ منصرف ہے۔یعنی کسی بھی شہر میں چلے جاؤ۔

﴿فإنَّ لكم ما سألتم﴾ یقیناً تمہیں مطلوبہ اشیائے خورد ونوش حاصل ہوں گی۔

﴿مصر﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) یہ علاقہ جس میں بنی اسرائیل کو داخل ہونے کو کہا گیا فرعون کا مشہور ملک تھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم نے فرعونیوں کو ان کے باغات سے نکال دیا، پھر ہم نے بنی اسرائیل کو اس کا وارث بنایا۔'' ﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○﴾ [الشعراء ۵۷-۵۹]

﴿مصرًا﴾ میں تنوین والی قراءت کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھی وہی مشہور ملک ہے، لیکن عدْن اور هِند کی طرح علمیت اور تانیث کے باوجود ساکن الوسط ہونے کی وجہ سے منصرف پڑھا جاتا ہے۔نیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصرَ بغیر تنوین بھی ایک قراءت ہے۔لیکن حافظ ابن جریر طبریؒ نے غیر منصرف والی قراءت کا انکار کیا ہے؛ کیونکہ مصحف عثمانی کے تمام نسخوں اور قراء کرامؒ کا اتفاق تنوین والی قراءت پر ہے۔

(۲) دوسری رائے کے مطابق مصر لغوی معنی کے مطابق کوئی بھی شہر ہے، مخصوص علاقے کا نام نہیں۔اس قول کے دلائل درج ذیل ہیں:

ا: متواتر قراءت میں تنوین کے ساتھ ﴿مصرًا﴾ ہے۔اگر معروف مصر مراد ہوتا تو بغیر تنوین کے آتا، جیسا کہ اس فرمانِ الٰہی میں ہے:﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾[یونس ۸۷]

ب: اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے باغات اور خزانوں کا مالک بنی اسرائیل کو بنایا تھا؛ لیکن قرآنی دلائل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ تیہ کے بعد جس سرزمین میں جانے کا حکم ہوا، وہ ''ارضِ شام'' ہے نہ کہ ''مصر''، جیسے ارشاد فرمایا:﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اور تاریخ شاہد ہے کہ میدانِ تیہ میں چالیس سال بھٹکتے پھرنے کے بعد بالآخر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل ارضِ فلسطین میں داخل ہو گئے تھے۔یہی رائے قوی ہے، اور جمہور مفسرین اسی کے قائل ہیں۔واللہ اعلم

بنی اسرائیل کے مطالبے پر من وسلویٰ کے بدلے دوسری چیزوں کے حصول کے لیے کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے دعا مانگی تھی؟اس میں اختلاف ہے:

ا: امام ابن جریرؒ کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ پاک نے حکم دیا کہ تم کسی بستی میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں یہ چیزیں حاصل ہوں گی۔

ب: امام ابن کثیرؒ اور شیخ ابن العثیمینؒ وغیرہ کی رائے ہے کہ ﴿اهبطوا مصرًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا قول ہے۔سیاقِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مطالبے کو سختی سے مسترد کیا کہ تم بیوقوف لوگ عمدہ چیز کے بدلے ردی چیز مانگتے ہو؛ جبکہ یہ چیزیں عام بستیوں اور شہروں میں موجود ہیں۔یہ معقول نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے مطالبے پر انکار کریں اور خود اللہ پاک سے اس کی دعا بھی مانگیں۔

جب بنی اسرائیل صحرائے تیہ سے نکل گئے، تو ان پر من وسلویٰ کا نزول بند ہوگیا۔کفرانِ نعمت کی پاداش میں وہ نہ صرف ان عظیم نعمتوں سے محروم ہوئے بلکہ مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب وعقاب کے مستحق بھی ہوئے۔

﴿وضربت عليهم الذلة والمسكنة﴾ جملہ مستأنفہ ہے۔عرب کا مقولہ ہے:ضربَ الأميرُ على الجيشِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البعث۔ یعنی حکمران نے لشکر پر جنگ کے لیے نکلنا لازم کر دیا۔ ﴿ضربت علیهم الذلة والمسكنة﴾ یعنی یہ لوگ ذلت اور غربت کے شرعی طور پر مستحق ہوئے تو تقدیراً ان پر ذلت وخواری مسلط کر دی گئی۔

﴿الذلة﴾ سلفؒ نے اس سے ٹیکس مراد لیا ہے، یعنی جب تک یہ ٹیکس ادا نہ کریں انہیں کوئی جائے قرار نہیں ملے گی۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾ [التوبة ٩]

امام قرطبیؒ کہتے ہیں: ﴿اهبطوا مصرًا﴾ یہ حکم تعجیز کے مفہوم میں ہے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو حکم دیا گیا کہ مصر میں چلے جاؤ، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا﴾ [الإسراء ٥٠]

﴿والمسكنة﴾ یہ مسکین کا مصدر ہے، فقر وفاقہ اور محتاجی کو کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں سکون سے مشتق ہے؛ کیونکہ فقر وفاقہ مسکین کو ساکن رکھتا ہے۔ ''ذلت'' سے مراد بزدلی بھی ہے؛ کیونکہ ان میں کسی دشمن سے لڑنے کی جرأت وہمت نہیں تھی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾ [الحشر ١٤] ﴿المسكنة﴾ اگرچہ ان کے پاس مال ودولت کے انبار بھی ہوں؛ مگر ان کے دل ہمیشہ بخل اور لالچ میں مبتلا ہیں۔ اور فقر وفاقہ کے لباس میں رہتے ہیں۔ اس لیے وہ بخل اور لالچ میں مشہور ہیں۔ ان میں نہ مال کی سخاوت ہے نہ ان کے دلوں میں استغناء ہے۔ اصل غنی تو وہ ہے جو تقسیم الٰہی پر قانع ہو۔

﴿وباءوا بغضب من الله﴾ باء وا' البواء سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں لوٹنا۔ یعنی وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے اور عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔

﴿ذلك﴾ اسم اشارہ سے ان کے تمام مذکورہ کرتوتوں کی طرف تنبیہ مقصود ہے؛ یعنی ان کا عمدہ کھانے کے بدلے ردی چیزوں کا مطالبہ کرنے اور ذلت وغربت کے نیچے دب جانا:

﴿بأنهم كانوا يكفرون بايٰت الله﴾ باء سببیہ ہے، یعنی ان چیزوں کے سبب سے کہ وہ اللہ پاک کی آیات شرعیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت نہیں کرتے تھے، اور آیات کونیہ' جن کا تعلق اللہ کی ربوبیت سے ہے، ان کے ساتھ کفر اور تکذیب کی روش اپناتے تھے۔

﴿ويقتلون النبيين بغير الحق﴾ یعنی ان کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے برگزیدہ رسولوں کو قتل کرتے تھے۔ ﴿النبيين﴾ نبي کی جمع ہے۔ یہ اصل میں ''نبیء'' تھا، جو کہ فعیلٌ بمعنی مُفعِل ہے، یعنی مُنبیءٌ (اللہ

© rasailojaraid.com